نو آبادیاتی عہد میں اردو ناول کے فکری رجحانات

عارف صدیق☆
Arif Saddique
ڈاکٹر محمد شفیق آصف☆☆
Dr. Muhammad Shafiq Asif

Abstract:

Colonial Policies in sub-continent had brings many soci-o-economic changes in this area .As the result of these polices social set up of sub-continent had change in various ways.By the passing of time these changes grow up and made effect on the mind of people. A writer is a sensitive person of every society. He take and accept the effects of social changes more than any other person , So as the result the way of thoughts of the writer in colonial periods had also changed and reflect to the colonial polices and their effects. In this article it is try to discusse the way of thaughts of urdu novelists in colonial period.

نو آبادیات کا تصور اتنا ہی قدیم ہے جتنی اس کرہ ارض پر تاریخ انسانی، انسان ابتداء سے ہی نئی آبادیاں اور بستیاں بساتا چلا آیا ہے۔ خواہ ان آبادیوں کو بسانے کے محرکات کچھ بھی ہوں۔ تاریخ انسانی میں تسلسل کے ساتھ ساتھ نو آبادیات کے تصور اور مفہوم میں بھی تبدیلی آتی گئی۔ نئی بستیوں کی آباد کاری سے شروع ہونے والا یہ عمل تاریخ کے ساتھ ساتھ وسیع سے وسیع تر ہوتا چلا گیا ،نو آبادیات، استعمارات، سامراجیت کے لبادوں میں لپٹا ہوا یہ عمل طویل تاریخی دور کا احاطہ کیے ہوئے ہے۔ یہی وجہ ہے کہ نو آبادیات کے عمل کی متنوع صورتیں سامنے آئی ہیں۔ طویل تاریخی دور اور متنوع صورتوں کی وجہ سے نو آبادیات کی کوئی واضح اور جامع تعریف نہیں کی جا سکتی۔

نو آبادیات کے مفہوم کا جائزہ لینے کے لیے مختلف لغات کا جائزہ لیا جائے تو اوکسفرڈ انگلش ڈکشنری میں نو آبادیات کا مفہوم یہ بیان کیا گیا ہے کہ نو آبادیات سے مراد مختلف آباد کاروں کا کسی نئی زمین کو اس طرح آباد کرنا کہ آباد کاری کے اس عمل میں ان کا اپنی جدی ریاست (Parent State) سے تعلق برقرار رہے اور آباد کاری کے مراحل جدی ریاست کے زیر نگرانی پروان چڑھیں۔ (۱)

Ania Loomba نو آبادیات کی تعریف کرتے ہوئے لکھتی ہیں:

"نو آبادیات سے مراد دوسرے لوگوں کی زمین کو فتح کر کے ان کی املاک پر قبضہ کر لینا ہے۔"(۲)

ایڈورڈ ڈبلیو سعید نو آبادیات اور سامراجیت میں فرق واضح کرتے ہوئے دونوں کی تعریف اس انداز سے کرتے ہیں:

"سامراجیت (Imperilisom) کسی دور دراز خطے پر مقتدر کسی غالب میٹروپولٹین مرکز کے عمل، نظریے اور رویے کا نام ہے جب کہ نو آبادیات (Colonilism) سامراجیت کے نتیجے میں دور دراز خطے پر آبادکاری مسلط کرنے کا عمل ہے۔"(۳)

ان تعریفوں میں نو آبادیات کا یہ عمل زیادہ تر یورپی نو آبادیاتی نظام کا احاطہ کرتا نظر آتا ہے۔ استعماریت یا نو آبادیات کے اس عمل میں مغربی یورپ کے بیشتر ایسے ممالک شامل تھے جو بحری قوت کے حوالے سے خاصے مضبوط تھے۔ سمندروں کے ذریعے نئی تجارتی منڈیوں تک رسائی کی کوشش ان نو آبادیوں کے قیام کی بنیادی محرک بنی۔

استعماریت کا یہ عمل ہر جگہ قابلِ مذمت ہی گردانا گیا۔ اس عمل نے نہ صرف لوگوں کی زمینوں اور املاک پر قبضہ کی راہ ہموار کی بلکہ اس قبضہ اور اقتدار کو استحکام دینے کے لیے کلچر، ثقافت اور سماجی رویوں کو بھی متاثر کیا۔ استعماریت کے اس عمل کا بنیادی محرک معاشی مفادات کا حصول تھا۔ ان مفادات کے حصول کے لیے استعمار کاروں نے متنوع طریقے اختیار کیے۔ اس کی بڑی وجہ یہ ہے کہ استعمار کاروں نے جہاں جہاں علاقے فتح کیے اور نو آبادیاں قائم کرنے کا سلسلہ شروع کیا وہاں سب جگہوں کے زمینی اور معروضی حالات ایک جیسے نہیں تھے۔ جس قوم یا قبیلے سے استعمار کاروں کی مڈ بھیڑ ہوئی انہیں اسی قوم یا قبیلے کے مزاج اور حالات کو مد نظر رکھتے ہوئے اپنی پالیسیاں ترتیب دینی پڑیں۔ یوں یہ عمل متنوع صورت حال اختیار کرتا چلا گیا۔ ڈاکٹر ناصر عباس نیر لکھتے ہیں:

"نو آبادیاتی ثقافت عمومی اور آفاقی نہیں یعنی یورپ نے ایشیا و افریقہ کے ملکوں پر قبضے کے لیے یکساں نو آبادیاتی حکمت عملی اختیار نہیں کی۔ اس لیے ہر جگہ نو آبادیاتی تصورات ایک جیسے نہیں تھے۔"(۴)

استعمار کاروں کے نو آبادیاں قائم کرنے کے محرکات بھی متنوع تھے جیسا کہ عام تاثر ہے کہ نو آبادیات یا استعماریت کا اہم محرک معاشی مفادات کا حصول اور اپنی جدی ریاست (Parent

(State) کو معاشی طور پر مستحکم کرنا تھا۔ اس کے ساتھ ساتھ یورپی استعمار کار اپنے مذہب اور ثقافت کو نو آبادیوں میں رائج کرنے کے بھی خواہاں تھے۔ بقول ڈاکٹر ناصر عباس نیر:

> ''نو آبادیات کا قیام بڑی حد تک یورپ یا مغرب کی مرکزیت کے قیام، انجذاب اور استحکام کا مرہون منت تھا۔ یورپ یا مغرب کا علم، نظام حکمرانی، تعلیمی تصورات، ثقافتی رسوم مثالیہ اور آفاقی قرار دیئے گئے تھے اور نو آبادیوں میں انھیں پھیلانے اور رائج کرنے کی کوششیں کی گئیں۔''(۵)

ہندوستان میں تاجر کے روپ میں آنے والے استعمار کاروں نے یہاں عملاً زندگی کے ہر شعبے میں عمل داری قائم کرنے کے منصوبے شروع کیے۔ اپنے اقتدار کو مستحکم کرنے کے لیے انھوں نے جو استعماری حربے استعمال کیے ان میں سے ایک اہم حربہ یہاں کے لوگوں کے اذہان میں موجودہ مسلمان حکومت کے بارے میں غلط تصورات رائج کرنا تھا۔ ایسٹ انڈیا کمپنی کا مختلف علاقوں پر تسلط قائم کرنے کا انداز ''کاتا اور لے دوڑی'' کا نہیں تھا بلکہ کمپنی جن علاقوں پر قبضے کا ارادہ کرتی ان کے لیے وسیع المدتی منصوبے تشکیل دیئے جاتے۔ سب سے پہلے وہاں کے باشندگان میں سے بااثر افراد سے قریبی تعلقات قائم کر کے انھیں اپنا ہم نوا بنایا جاتا اور پھر ان تعلقات کو استعمال کرتے ہوئے علاقے کے حکمرانوں کے خلاف فضا تعمیر کی جاتی اور مقامی باشندگان کے ذریعے حکمرانوں کے خلاف نفرت کی آگ بھڑکائی جاتی۔ اس سارے عمل میں مقامی افراد کو مہرے کے طور پر استعمال کیا جاتا۔ یوں یہ بات صائب معلوم ہوتی ہے:

> ''کولونیل ازم ایک نیا ڈراما تھا، جس کا اسکرپٹ یورپ نے لکھا اور جسے کھیلنے کے لیے ایشیاء وافریقہ کی سرزمین کو منتخب کیا۔ ڈرامے کے مرکزی کردار یورپی تھے تاہم کچھ معاون اور ضمنی کردار ایشیائی وافریقی تھے۔''(۶)

یہی وہ ضمنی کردار تھے جن کے بل بوتے پر کمپنی نے اس ڈراما کے ہر ایکٹ کو کامیابی سے پایہ تکمیل تک پہنچایا مقامی حکمرانوں کے خلاف نفرت کی فضا کی تشکیل کے ساتھ ساتھ مقامی لوگوں کے ذہنوں میں استعماری کلچر اور استعماری رویوں کو پروان چڑھانے کے اقدامات کیے جاتے۔ یوں ذہن سازی کے اس عمل کی تکمیل ہوتے ہوتے کمپنی اس علاقے میں اپنے قدم جما لیتی اور مقامی افراد کی معاونت سے وہاں اپنے مفادات کے حصول میں سرگرداں رہتی۔ ذہن سازی کے اس عمل نے معاشرے کی فکری فضا میں خاصی ہلچل پیدا کی۔ ۱۸۵۷ء تک آتے آتے ہندوستان کی فکری فضا

کی تشکیل کن خطوط پر استوار ہو چکی تھی اس کا اندازہ غالب کے اس شعر سے لگایا جاسکتا ہے جو جنگ آزادی سے چار سال قبل ۱۸۵۳ء میں کہا گیا۔

ایماں مجھے روکے ہے تو کھینچے ہے مجھے کفر
کعبہ میرے پیچھے ہے کلیسا مرے آگے(۷)

اس شعر میں بیان کردہ کیفیات ایک کشمکش کو سامنے لاتی ہیں۔ یہ کشمکش اس دور کا شاخسانہ ہے، جس دور میں یہ غزل کہی گئی۔ یہ وہ دور تھا جب ہندوستان میں مغلیہ سلطنت زوال پذیر ہو چکی تھی اور اس کی بحالی کی تمام تر امیدیں دم توڑ چکی تھیں۔ دوسری طرف استعمار کار ہندوستان پر مکمل قبضہ کے بالکل قریب پہنچ چکے تھے۔ اس دور میں انگریزی تہذیبی اثرات نے ہندوستان کی فکری فضا کو ایک نئے زاویے پر استوار کیا۔ مغرب کی نقالی کا عنصر اس حد تک فکری صلاحیتوں کو زنگ آلود کر رہا تھا کہ مشرق کی فضا میں تخلیق ہونے والے ادب کی جانچ پرکھ کے زائچے بھی مغربی انداز کے تیار کئے جانے لگے تھے۔ اردو کے کلاسیکی سرمائے کو ساقط الاعتبار ٹھہرایا جانے لگا۔ ابوالکلام قاسمی لکھتے ہیں:

> ''مغرب کی روحانی شعری تحریک کے زیر اثر مرتب ہونے والے اصولوں کو قطعی اصولوں کا اعتبار حاصل ہوا، کبھی ہر طرح کی شاعری کو ''شاعری کی تین آوازوں'' کے چوکھٹے میں رکھ کر دیکھنے کی مقبولیت حاصل ہوئی اور کبھی علامت، تناؤ، قول محال اور ابہام کو ہر فنی اظہار کی کلید بلکہ بسا اوقات فکشن تک کی تفہیم کے ایسے وسیلوں کے طور پر استعمال کیا گیا گویا یہی انداز مطالعہ ناگزیر آفاقی طریق کار ہو سکتا ہے۔''(۸)

فکری حوالے سے دیکھا جائے تو نو آبادیاتی دور میں تنقید اور تخلیق دونوں میں استعماری فکر کے اثرات نمایاں نظر آتے ہیں۔ تنقید میں مولانا محمد حسین آزاد کی نظم آزاد کی بحث کے ساتھ ساتھ مولانا الطاف حسین حالی کی پیروی مغربی تو اک ضرب المثل کی حیثیت اختیار کر چکی ہیں۔ اس کے علاوہ سرسید احمد خان کا کردار نو آبادیاتی فکر کی ترویج کے حوالے سے کسی تعارف کا محتاج نہیں۔ تخلیق اور خاص طور پر ناول نگاری پر نو آبادیاتی فکر کے اثرات کے حوالے سے دیکھا جائے یہاں متنوع فکری رجحانات ملتے ہیں۔

استعمار کاری کے زیر اثر پروان چڑھنے والے ادب میں شروع میں ہی اک عجیب صورت حال پیدا ہوئی۔ مغرب جو کہ صنعتی انقلاب کے ثمرات سمیٹ چکا تھا اس کی فکر کی نقالی کرتے ہوئے ادب تخلیق کرنے کی کوشش خاصی مضحکہ خیز ثابت ہوئی کیونکہ بر صغیر میں تو صنعتی انقلاب آیا تھا نہ ہی نئے سرمایہ دارانہ نظام کی ابتداء ہوئی تھی اس کی بجائے یہاں کا معاشرہ اپنی قدیم مذہبی اور تہذیبی اقدار کو اپنائے ہوئے تھا، استعماری دور کی ادبی صورت حال پر بحث کرتے ہوئے ڈاکٹر علمدار حسین بخاری لکھتے ہیں:

> ''یورپی تعلیمی اور تہذیبی اداروں اور نو آبادیاتی استعمار کی ضرورتوں کے تحت جو نئی ادبی اصناف سامنے لائی جارہی تھیں وہ صدیوں کی مستحکم مقامی (Indiginous) ادبی اور تہذیبی روایات اور اصناف سے مختلف تھیں اس لئے شروع میں مغربی اصناف ادب کی نقالی اور چربہ سازی (Mimicry) سے زیادہ کچھ نہیں تھیں، اس لئے ہندوستانی اہل دانش کے ساتھ ساتھ خود برطانوی لوگوں کو بھی کافی کچھ مضحکہ خیز ہی لگتی تھیں۔''(۹)

نو آبادیاتی عہد میں اردو ادب خاص طور پر ناول نگاری میں فکری حوالے سے جو رجحانات سامنے آئے، ان میں سے اہم رجحان اسلامی فکر کا تھا۔ بر صغیر کا معاشرہ صدیوں سے اسلامی تہذیب و تمدن کا گہوارہ رہا تھا، مسلم حکمرانوں کے ادوار میں یہاں اسلامی ثقافت اور اسلامی طرز بودوباش کو کافی فروغ ملا، مساجد کی تعمیر میں بھی خصوصی دلچسپی لی گئی اور اس دور میں تعمیر ہونے والی مساجد اسلام کے ساتھ عوام الناس اور حکمران طبقہ کی گہری وابستگی کا مظہر ہیں۔ مغلیہ دور حکومت میں تعمیر ہونے والی مساجد جہاں ایک طرف اسلامی شعائر سے محبت کو واضح کرتی ہے وہاں دوسری طرف فن تعمیرات کا بھی منہ بولتا ثبوت ہیں۔ اسلامی تہذیب و تمدن سے گہری وابستگی کا ہی نتیجہ تھا کہ نو آبادیاتی عہد تک آتے آتے اسلامی تہذیب و تمدن اور اسلامی فکر کی جڑیں اس علاقے میں گہری ہو چکی تھیں، یہی وجہ ہے کہ استعمار کاروں کے تمام تر خوش نما حربوں کے باوجود لوگوں اور خاص طور پر ادیب طبقہ کے اذہان سے اسلامی فکر کو ختم نہ کیا جاسکا، زمینی حالات اور اپنی بقا کی خاطر ذہنی طور پر انگریز کی غلامی اختیار کرنے والوں کے ہاں بھی شعوری اور لاشعوری طور پر ایسے عناصر دکھائی دیتے ہیں جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ نو آبادیاتی عہد میں تخلیق ہونے والے ادب پر اسلامی فکر کے گہرے اثرات ہیں۔

اردو ادب اور خاص طور پر اردو ناول نگاری میں اسلامی فکر کے حوالے سے استعماری دور کا مطالعہ کیا جائے تو اس دور میں تخلیق ہونے والے بیشتر ناول اسلامی فکر کی عکاسی کرتے نظر آتے ہیں۔ اس کی بڑی وجہ یہ ہے کہ استعمار کاری کے اس دور میں ایک مضبوط طبقہ ایسا بھی موجود تھا جو مغربی استعمار کاروں کے مقابلہ میں اسلامی طرز زندگی کے احیاءاور اسلامی اقدار کے فروغ کا داعی تھا، ادیب چوں کہ معاشرے سے متاثر ہوتا ہے اور معاشرے کے اثرات ادب پر لازمی طور پر پڑتے ہیں اس لئے اس مذہبی طبقے کی موجودگی میں اس وقت کے معاشرے میں مذہبی اقدار اور اسلامی طرز زندگی کے اثرات واضح طور پر ملتے ہیں اور یہی اسلامی فکری اثرات شعوری اور لاشعوری طور پر اس عہد کے ناول نگاروں پر بھی چھائے رہے، اس کے علاوہ بعض ادیب ایسے بھی تھے جو ادیب ہونے کے ساتھ ساتھ خود عالم دین، مفسر اور مذہبی طبقے سے تعلق رکھنے والے تھے اس لئے ان کے ہاں اسلامی فکر کی عکاسی ہونا ایک فطری عمل ہے، ایسے ادباء میں سر فہرست ڈپٹی نذیر احمد ہیں جنہیں اردو میں ناول نگاری کی ابتداء کا شرف بھی حاصل ہے۔ ڈپٹی نذیر احمد کے ناولوں میں اسلامی فکر کی عکاسی واضح طور پر دیکھی جاسکتی ہے۔ اس کی بڑی وجہ یہ ہے کہ ان کا تعلق ایک مذہبی طبقے سے تھا، ڈاکٹر سہیل بخاری لکھتے ہیں:

> ''نذیر احمد مولوی اور حافظ ہونے کے ساتھ ساتھ مفسر قرآن بھی تھے، اس لئے ان کے تمام ناولوں میں مذہب اور تعلیم اخلاق پر زور ہے۔''(۱۰)

''ابن الوقت''(۱۸۸۲ء) مولوی نذیر احمد کا معروف ناول ہے۔ اس ناول میں ایسے لوگوں کی کہانی ملتی ہے جو استعمار کاروں کے بڑھتے ہوئے اثر ورسوخ کو دیکھتے ہوئے اس سے وقتی طور پر فائدہ اٹھانے کی کوشش کرتے ہیں، ابن الوقت کا ہیرو انگریز سے فائدہ حاصل کرنے کے لئے اس حد تک آگے بڑھ جاتا ہے کہ اپنی مذہبی اور سماجی روایات کو بدلنے پر آمادہ نظر آنے لگتا ہے، تمام تر پیروی مغربی کے باوجود اس ناول میں اسلامی فکر کی عکاسی واضح طور پر دکھائی دیتی ہے۔ وہ دور جب اسلامی سلطنت کا وجود پارہ پارہ ہو چکا تھا، مسلمان مفلوک الحال ہو چکے تھے۔ استعمار کاروں کی طاقت اور اثر ورسوخ میں روز بروز اضافہ ہوتا جارہا تھا اس وقت بھی ڈپٹی نذیر احمد اسلام کو ایسا مذہب قرار دیتے نظر آتے ہیں جو سپاہیانہ خصوصیات کا حامل ہے، ابن الوقت سے اقتباس ملاحظہ ہو:

> ''میں ان کے مذہب کو (آپ معاف کیجئے گا) سپاہیانہ مذہب خیال کرتا ہوں، میرے نزدیک ہر مسلمان مذہباً سپاہی ہے۔''(۱۱)

اسی طرح "ابن الوقت" کے مذہبی خیالات مولوی نذیر احمد کی زبانی سنئے:

"پانچوں وقت جامع مسجد کی اول جماعت کی تکبیر تحریمہ ناغہ نہیں ہونے پاتی تھی اور تہجد اور اشراق کے علاوہ تحیتہ المسجد، صلوٰۃ التسبیح، منزل فیل، دلائل الخیرات، ضرب والبحر اور خدا جانے کتنے اور وظائف، جمعے کے دن کبھی اس کے گھر جانے کا اتفاق ہوا تو پہر دن چڑھے سے نماز جمعہ کی تیاری ہو رہی ہے۔"(۱۲)

مولوی نذیر احمد نے سماجی اصلاح کا جو بیڑہ اٹھایا تھا اس کا لازمی نتیجہ یہ ہی نکلتا تھا کہ وہ اسلامی طرز زندگی کو رواج دیں، یہی وجہ ہے کہ ان کے بیشتر ناول اسلامی فکر میں رنگے نظر آتے ہیں "فسانہ مبتلا" ان کا ایک اور معروف ناول ہے۔ ابن الوقت کی طرح اس ناول میں بھی جابجا اسلامی فکر کے نمونے دکھائی دیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ جل شانہ کے قبضہ قدرت کے بارے میں خیالات ملاحظہ ہوں:

"اگر خدا نہ چاہے تو کیا بندے آپ سے آپ پیدا ہو جائیں اور اپنے اختیار سے زندگی بسر کریں، ایسا خیال کرنا تو کفر کے علاوہ غلط صریح بھی ہے۔ بندے بھلے اور بُرے، امیر اور غریب، قوی اور ضعیف، حاکم اور محکوم، بادشاہ اور رعیت، یہاں تک کہ ولی اور پیغمبر سب کے سب اس قدر عاجز اور بے اختیار ہیں کہ بدون خدا کی مرضی کے ایک پتا ہلانا چاہیں تو نہیں ہلا سکتے۔ ایک ذرے کو جگہ سے سرکانا چاہیں تو نہیں سرکا سکتے۔"(۱۳)

منشی پریم چند کا شمار ایسے ادیبوں میں ہوتا ہے جنہوں نے اردو ناول نگاری کو ایک مضبوط بنیاد فراہم کی، حریت فکر کی علم برداری کا جو فریضہ انہوں نے سرانجام دیا وہ کسی اور کے حصے میں نہ آیا، ان کی تخلیقات اپنے عہد کے سیاسی اور سماجی مسائل کو اجاگر کرتی نظر آتی ہیں، ان کی ناول نگاری کا آغاز اس دور میں ہوا جب برصغیر میں آزادی کی تحریکیں پروان چڑھ رہی تھیں۔ عوام الناس میں سیاسی شعور سے آگاہی رواج پا رہی تھی، ان کی فکر میں جاگیر دار اور صنعت کار طبقہ کی مخالفت نمایاں ہے، وہ مظلوم اور پسے ہوئے نچلے طبقہ کی آواز بن کر ابھرے تھے۔ غریب اور نچلا طبقہ چوں کہ فطری طور پر مذہب کے زیادہ قریب اور مذہبی اقدار کا زیادہ پابند ہوتا ہے اس لئے ان کی تخلیقات میں مذہبی فکر کی عکاسی بھی دکھائی دیتی ہے۔

"میدان عمل" (۱۹۳۲ء) پریم چند کا وہ ناول ہے جس میں دولت مند اور مظلوم طبقے کے بارے میں تصورات کے ساتھ ساتھ مذہبی فکر بھی نمایاں نظر آتی ہے۔ جس دور میں یہ ناول تحریر

کیا گیا اس وقت عدم تعاون، بائیکاٹ اور سول نافرمانی کی تحریکیں عروج پر تھیں جس کی وجہ سے عوام الناس میں سیاسی شعور پختہ ہوتا جارہا تھا اور نچلے طبقے کے لوگ بھی اپنے حقوق کے لئے آواز بلند کر رہے تھے۔ اس نچلے طبقے کے لوگوں میں بیشتر لوگ ایسے تھے جو اپنے مذہب سے گہری وابستگی اختیار کئے ہوئے تھے جب پریم چند ان کی آواز بن کر ابھرے تو اس نچلے طبقے کے مسائل کی عکاسی کے دوران ان کی فکر میں مذہبی رنگ نمایاں ہوتا چلا گیا۔ یہی وجہ ہے کہ رشتے، ناطے اور شادی بیاہ تک کے معاملات بیان کرتے وقت بھی ان کی تخلیق اسی مذہب رنگ کے زیر اثر دکھائی دیتی ہے۔ ناول ''میدان عمل'' میں دو کرداروں امر کانت اور پٹھانی کے نکاح کا احوال بیان کرتے ہوئے پریم چند جس طرح رقم طراز ہیں۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ مذاہب کے بارے میں ان کا نکتہ نظر بہت وسیع ہے اس کے ساتھ ساتھ مذہبی اقدار کی سماج میں کتنی پیروی کی جاتی ہے، اس پر بھی ان کی خاص نظر ہے ناول کا ہیرو امر کانت ایک امیر باپ کا بیٹا ہے لیکن باپ کی دولت کو خاطر میں نہیں لاتا، یہاں تک اپنی بیوی جو کہ انتہائی سگھڑ اور سمجھدار ہوتی ہے، اس کی تمام تر سمجھداری کو بھی دولت کی ہوس قرار دے دیتا ہے اور اپنے باپ کی وظیفہ خوار ایک پٹھانی کی بیٹی کو نہ صرف چاہنے لگتا ہے بلکہ اس سے نکاح کرنے تک آمادہ ہو جاتا ہے۔ اس نکاح کے بارے میں بیان کرتے ہوئے پریم چند لکھتے ہیں:

> ''مجھے تو صرف ایسا لڑکا چاہئے جو شریف خاندان کا ہو اور شریف مزاج ہو، میں دولت کی قائل نہیں ہوں حالاں کہ ہمارے رسول کا حکم ہے کہ نکاح میں امیر اور غریب کا امتیاز مٹا دیا جائے لیکن ان کا حکم اب کون مانتا ہے، نام کے مسلمان اور نام کے ہندو رہ گئے ہیں، نہ کہیں سچا مسلمان نظر آتا ہے نہ سچا ہندو۔''(۱۴)

''نہ سچا مسلمان نظر آتا ہے نہ سچا ہندو'' یہ صورت حال ایک ایسا المیہ تھا جس نے اس خطہ پر موجود باشندوں کی حکمرانی کو تباہ کر کے رکھ دیا، جب اس خطے کے لوگوں نے اپنے مذاہب سے دوری اختیار کی تو پورے سماج میں ایک ایسی صورت حال پیدا ہو گئی جس میں اخلاقی اقدار زوال پذیر ہونے لگیں، اخلاقی اقدار کے زوال نے اس معاشرے میں صدیوں سے موجود باہمی اتفاق اور اتحاد کے خاتمے میں اہم کردار ادا کیا، اس کے ساتھ ساتھ استعمار کاروں کی طرف سے رائج کی جانے والی پالیسیوں نے جلتی پر تیل کا کام کیا، یوں برصغیر میں استعمار کاروں کے مقاصد کی بجا آوری میں حائل رکاوٹیں اور مزاحمتیں دم توڑتی چلی گئیں۔ اخلاقی اقدار کے زوال سے یہاں کے باشندگان

بیرونی استعمار کاروں کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے اپنے ہم وطنوں کی آواز کو دبانے یا پھر ان کو انگریز سرکار کے حق میں استعمال کرنے کی کوشش میں مصروف نظر آنے لگے، یوں استعمار کار اپنی سلطنت کو وسیع سے وسیع تر اور اپنے قبضہ کو مستحکم کرتے چلے گئے۔

مذہب اسلام کی خصوصیت یہ ہے کہ اس میں تمام مذاہب کا احترام لازمی قرار دیا گیا ہے، جبراً ظلم کے ذریعے اسلام کے نفاذ کو ممنوع قرار دیا گیا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ تمام اقوام کو مذہبی آزادی کا حق دیا گیا ہے۔ حسن معاشرت کی ایسی مثال کسی اور مذہب میں نہیں ملتی۔ یہی وجہ ہے کہ ''میدان عمل'' میں سلیم جب امر کانت اور پٹھانی کے نکاح کے بارے میں امر کانت سے اس کے مذہب کی تبدیلی کے بارے میں سوال کرتا ہے تو امر کانت کو اسلام قبول کرنے میں ذرہ بھر بھی ہچکچاہٹ محسوس نہیں ہوتی ''میدان عمل'' میں امر کانت اور سلیم کے درمیان ہونے والی گفتگو کو پریم چند یوں لکھتے ہیں:

> ''سلیم نے پوچھا، بالفرض وہ کہے تم مسلمان ہو جاؤ تو میں اسی وقت ایک مولوی کو بلا کر کلمہ پڑھ لوں گا، مجھے اسلام میں کوئی ایسی بات نظر نہیں آتی جسے میرا ضمیر قبول نہ کرتا ہو، سارے مذہبوں کی حقیقتیں ایک ہیں، حضرت محمد کو خدا کا رسول مان لینے میں مجھے کوئی عذر نہیں۔ حسن خدمت، ایثار، رحم اور تہذیب نفس پر ہندو مذہب کی بنیاد قائم ہے، اسلام مجھے بدھ، کرشن اور رام کا احترام کرنے سے نہیں روکتا۔''(۱۵)

نو آبادیاتی عہد میں اسلامی فکر کی عکاسی کا جو رجحان اردو ناول نگاری میں ملتا ہے اس کی اک مثال عبدالحلیم شرر کا ناول ''فردوس بریں'' ہے۔ فردوس بریں میں مذاہب کے حوالے سے خاصی گفتگو سامنے آتی ہے۔ فرقہ باطنیہ کی تحریک اس ناول کا اہم موضوع ہے۔ ناول ابتداء ہی سے مذہبی رنگ میں رنگا نظر آتا ہے جب حسین اور زمرد حج کے ارادے سے نکلتے ہیں، جوں جوں ناول کی کہانی آگے بڑھتی جاتی ہے شرر کی مذہبی فکر نمایاں ہوتی چلی جاتی ہے۔ شرر اس ناول کے ذریعے اخلاقی تعلیم دینے کی سعی کرتے ہیں اور ان کے خیال میں ناول اخلاقی تربیت کا بہترین ذریعہ ہیں۔(۱۶)

''فردوس بریں'' میں شرر کی اسلامی فکر کی عکاسی جھلکتی نظر آتی ہے، حضرت موسیٰ کی قبر، وادی ایمن، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ہاتھ سے مردوں کا زندہ ہونا، رسول اکرم ﷺ کی

حیات مبارکہ کے بارے میں بیان شرر کی اسلامی فکر کو نمایاں کرتے نظر آتے ہیں، اس ناول میں احکام الٰہی کے حوالے سے بھی بحث ملتی ہے۔ مثلاً خودکشی کے حوالے سے زمرد کا مکالمہ ملاحظہ ہو:

> ''زمرد: کہیں ایسا غضب بھی نہ کرنا خودکشی کرلی تو جنت تم پر حرام ہو جائے گی، پھر تو قیامت تک ملنے کی امید نہیں۔''(۱۷)

مرزا ہادی رسوا اردو ناول نگاری میں ایک اہم مقام کے حامل ہیں، ان کا ناول ''امراؤ جان ادا'' اردو نثری ادب میں اک قابل قدر اضافہ سمجھا جاتا ہے، اک طوائف کی کہانی پر مشتمل یہ ناول جہاں ایک طرف لکھنوی طرز معاشرت کی عکاسی کرتا ہے وہاں اس میں کئی مقامات پر اسلامی فکر بھی جھلکتی نظر آتی ہے، اس ناول کے آغاز میں رسوا نماز کے بارے میں ذکر کرتے ہیں اس کے علاوہ کھانا کھانے کے اسلامی آداب، دستر خوان کی اہمیت کے حوالے سے بھی رسوا کی اسلامی فکر سامنے آتی ہے، اس کے علاوہ شیطان کے حوالے سے ناول کے دو کرداروں مولوی اور خانم میں بحث بھی سامنے آتی ہے۔ آگے چل کر اسی ناول میں رسوا اور امراؤ کے درمیان کربلا کی زیارت کے حوالے سے گفتگو سامنے آتی ہے۔

> ''رسوا: اس میں کیا شک وہ تو میں پہلے ہی کر چکا ہوں اب بھی سو سے اچھی ہزار سے اچھی واللہ یہ تمھاری نیت کا ثمرہ ہے کہ خدا نے زیارت سے مشرف کیا۔
>
> امراؤ: جی ہاں مولا نے سب مرادیں پوری کیں، اب یہ تمنا ہے کہ مجھے کربلا پھر بلا بھیجیں، میری مٹی عزیز ہو جائے، مرزا صاحب میں اس ارادے سے گئی تھی کہ پھر نہ آؤں گی مگر خدا جانے کیا ہوا تھا کہ لکھنؤ سر پر سوار ہو گیا مگر اب کی اگر خدا نے چاہا اور جانا ہو گیا تو پھر نہ آؤں گی۔''(۱۸)

اسلامی فکر کی عکاسی کے ساتھ ساتھ نو آبادیاتی عہد میں ناول نگاری کے جو فکری رجحانات سامنے آئے ان میں اصلاحی فکر کو اہم مقام حاصل ہے۔ اس دور میں جب باشندگان برصغیر استعمار کاروں کے شکنجے میں جکڑتے چلے جا رہے تھے اور استعماری کی پالیسیوں کی وجہ سے اخلاقی اقدار اور سماجی روایات بھی دم توڑ رہی تھیں تو ایسے میں بعض ایسے ادیب بھی تھے جو ادب کے ذریعے معاشرے کی اصلاح کا بیڑہ اٹھاتے نظر آتے ہیں۔ اصلاح کی یہ کوششیں کہیں تو ملکی سطح پر پائے جانے والی استعمار زدگی کے حوالے سے ہیں اور کہیں یہ گھریلو زندگی حتیٰ کہ ایسی رسومات کے حوالے

سے ہیں جو وقت اور پیسے کی بربادی کا سبب بنتی ہیں، اصلاحی فکری رجحان کے حوالے سے دیکھیں رشید النساء کا ناول "اصلاح النساء" (۱۸۹۴ء) ایسا ناول ہے جو ایسی رسوم کی مذمت میں لکھا گیا جو معاشرے کی تباہی کا باعث بنتی ہیں۔ ناول کے دیباچے میں مصنفہ لکھتی ہیں:

> "ایک کتاب ایسی لکھیں جس میں ان رسموں کا بیان ہو جن کے باعث سے صدہا گھر تباہ ہو گئے اور جو باعث، فضول خرچ اور فساد کے ہیں۔"(۱۹)

اس ناول میں مصنفہ نے ایسی رسومات کی مذمت کر کے معاشرے کی اصلاح کی کوشش کی ہے جو کہ روپے کی بربادی کا باعث بنتی ہیں اور روپے کی یہ بربادی بعد میں قرض کا طوق بن کر گلے میں پڑ جاتا ہے۔

اصلاحی مقصد کے تحت لکھے جانے والے ناولوں میں مرزا عباس حسین ہوش کا ناول "افسانہ نادر جہاں" بھی نمایاں مقام و مرتبہ کا حامل ہے، اس ناول میں مصنف نے شادی بیاہ کی فضول رسومات سے اجتناب کرنے کی ترغیب دی ہے، اک جگہ ڈومنیوں کی مذمت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> "سب سے پہلے حضرت آدم اور جناب حوا، ہمارے آپ کے پہلے ماں باپ، کس طرح خدا نے ایک کر دیئے، نہ نوبت رکھی گئی نہ ڈومنیاں آئیں، آپ فرمائیں گی ڈومنیاں تھیں کہاں؟ میں کہوں گی اگر ضرورت ہوتی تو جس طرح خدا نے حضرت حوا کو پیدا کیا تھا، ڈومنیاں بھی جہنم کی آگ سے پیدا کر دیتا، نہیں بنائیں تو معلوم ہوا کہ ضرورت ہی نہ تھی۔"(۲۰)

اصلاحی نقطہ نظر کے حوالے سے لکھنے والوں میں مولوی نذیر احمد بھی شامل ہیں، ان کے ناولوں میں فضول رسومات کی مذمت اور ان سے بچنے کی تلقین واضح طور پر دیکھی جا سکتی ہے، اس کے علاوہ ان کے ہاں عورتوں کی تعلیم و تربیت کے ذریعے اصلاح معاشرہ کا رجحان بھی ملتا ہے، ان کے ناول "مراۃ العروس" اور "بنات النعش" اس حوالے سے خاص اہمیت کے حامل ہیں، ان کے علاوہ رتن نارتھ سرشار (فسانہ آزاد)، اور مرزا ہادی رسوا (شریف زادہ) کے ہاں بھی اصلاح معاشرہ کا فکری رجحان ملتا ہے۔ جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ استعمار کاروں نے استعمار زدگان کے اذہان کو تبدیل کرنے کے لئے جو لائحہ عمل مرتب کیا تھا، اس وقت کے ادیب نہ صرف اس کے مضر اثرات سے آگاہ تھے بلکہ وہ محکوم طبقے کی گھریلو اور سماجی اصلاح کو بھی اپنا مقصد بنائے ہوئے تھے تاکہ محکوم

ہوتے ہوئے بھی یہ قوم اپنی مذہبی اور اخلاقی اقدار سے بغاوت نہ کر پائیں اور معاشرہ میں مذہبی اور اخلاقی اقدار کی جڑیں مضبوط رہیں، مگر یہ بھی حقیقت ہے استعمار کاروں نے جس طرح برصغیر کی تہذیب و ثقافت اور یہاں کے باشند گان کے ذہنوں پر یلغار کی اس میں بہت سے ادیب بہتے چلے گئے اور اصلاحی نقطہ نظر کی بجائے اردو ناول نگاری میں ایسے فکری رجحانات سامنے آنے لگے جو استعمار زدگی کی علامت قرار دیئے جاسکتے ہیں۔

استعمار کار اس حقیقت سے بخوبی واقف تھے کہ برصغیر جیسے مذہبی اور تہذیبی گہرائی والے خطے پر بزور طاقت زیادہ دیر تک تسلط قائم رکھنا ممکن نہیں ہے، اس لئے طاقت کے ساتھ ساتھ انہوں نے اس خطے کے لوگوں کی فکر میں تبدیلی پیدا کرنے کے لئے بھی حکمت عملیاں ترتیب دیں وہ اس خطے میں ایسے لوگوں کا ایک طبقہ پیدا کرنے میں کامیاب ہوگئے تھے جو ان کی ہاں میں ہاں ملانے والا تھا۔ اس طبقہ نے زندگی کے ہر شعبے میں ایسی فکر کو رواج دیا جس سے استعمار کاروں کے مقاصد کے حصول میں آسانی پیدا ہوئی، استعمار زدگی کا یہ عنصر انیسویں صدی میں کئی حوالوں سے سامنے آیا، ان میں مذمت، مدحت اور مرعوبیت کی صورتیں خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ انیسویں صدی کے بیشتر ناول نگاروں کے ہاں ایسے فکری رجحانات ملتے ہیں جن سے استعمار کاروں کے نظریات کے پرچار کی بو آتی ہے۔

استعمار کاروں نے استعمار زدگان کے ذہنوں کو مطیع بنانے کے لئے یہاں کی ثقافت اور رسوم و رواج کو فرسودہ اور فضول قرار دینے کی حکمت عملی اپنائی، انہوں نے ہندوستانی ثقافت اور رسوم کے مقابلے میں استعماری ثقافت کو رواج دینے کی سعی کی، ہندوستانی ثقافت اور رسوم کی مذمت کی جانے لگی۔ یہی وجہ ہے کہ استعمار کار طبقہ کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے اس دور کے بیشتر ناول نگار اپنی تمام تر اسلامی اور اصلاحی فکر کے باوجود استعماری حربوں کے آلہ کار بنے نظر آتے ہیں اور ناول نگاری میں ہندوستانی رسومات کی مذمت میں ان کے قلم رواں رہتے ہیں۔ اسلامی اور ہندوستانی رسومات کی مذمت کے حوالے سے ڈپٹی نذیر احمد کا ناول "ابن الوقت" خاص طور پر قابل ذکر ہے۔ پچھلے صفحات میں ابن الوقت میں اسلامی فکر کے عناصر کا بیان کیا گیا لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ تمام تر اسلامی فکر کے باوجود اس ناول کا ہیرو انگریز حکمرانوں کا آلہ کار نظر آتا ہے اور انگریزی رسوم کے مقابلے میں اسلامی اور ہندوستانی رسومات کی مذمت کے ساتھ ساتھ ہندوستان کے سابقہ حکمرانوں کی مذمت بھی کی گئی ہے۔ ابن الوقت میں نوبل کا یہ بیان دیکھئے:

''آپ کے جہاں پناہ نے اپنے ساتھ نسل تیمور اور تمام خاندان شاہی بلکہ شہر کے برباد کر دینے میں کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا۔ انہوں نے ملک گیری کی ہوس کی جب کہ ان کو اور ان کے اعوان و انصار کو ملک داری تو کجا، خانہ داری کی بھی لیاقت نہ تھی۔''(۲۱)

ناول نگار کے خیالات فکری پسماندگی اور ذہنی غلامی کی الم ناک صورت حال کی تصویر کشی کرتے ہیں، مندرجہ بالا اقتباس میں ایسے خاندان کو حکومتی امور کے لئے نااہل ثابت کرنے کی کوشش کی گئی ہے جس نے اس خطہ پر نہ صرف یہ کہ صدیوں تک کامیاب حکمرانی کی بلکہ پورے عالم میں اپنی قابلیت اور بہترین نظم و نسق کا بھی لوہا منوایا، استعمار کاروں نے نہ صرف حکمرانوں بلکہ مسلمان اہل علم لوگوں کے بارے میں بھی گمراہ کن تصورات کا پرچار کیا اور انتہائی جھوٹ سے کام لیتے ہوئے اسلامی علوم اور مسلمان اہل علم لوگوں کو مغربی دانشوروں سے کم تر ثابت کرنے کی کوشش کی اس بارے میں برصغیر میں تعلیمی حوالے سے لارڈ میکالے کا نام خاص طور پر لیا جاتا ہے جس نے عربی اور فارسی سے اپنی ناواقفیت کا اعتراف کرنے کے باوجود عربی و فارسی اور دیگر اسلامی امور کے تمام اثاثہ جات کو مغرب کی کسی ایک الماری کی کتابوں سے بھی کم تر گردانا، انہی استعماری حربوں کے اثرات تھے کہ استعماری دور میں لکھے گئے ناولوں میں بھی اسلامی علوم اور اہل علم کی مذمت کے خیالات ملتے ہیں''فسانہ آزاد'' میں رتن ناتھ سرشار کے خیالات ملاحظہ ہوں:

''شیخ (بو علی سینا) بے چارے کس میں تھے۔ ان کو مانتا کون ہے، معدودے چند دقیانوسی خیالات کے آدمی اور جن بزرگوں کے ہم پیرو ہیں ان کے کلام کی امریکہ اور یورپ کے کل علماء اور حکما پیروی کرتے ہیں۔ شیخ تھے کس میں آپ شیخ الرئیس کو لئے پھرتے ہیں۔''(۲۲)

یہ خیالات اس ماہر طب کے بارے میں ہیں جسے نہ صرف امام الطب ہونے کا اعزاز حاصل ہے بلکہ اپنے دور میں دنیا بھر میں مرض قولنج کے ماہر معالج سمجھے جاتے تھے۔ ان کی کتاب ''القانون فی الطب''طبی حوالے سے مستند سمجھی جاتی ہے۔ سرشار کو استعماری آقاؤں کی خوشنودی اس قدر عزیز تھی کہ ان کی تمام قابلیت اور مہارت کو ''معدودے چند دقیانوسی خیالات'' قرار دے ڈالا۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ناول نگار بھی میکالے کی طرح اپنی کم علمی کے باوجود صرف استعماری مقاصد کے حصول کے لئے ایسے جھوٹ گھڑتے نظر آتے ہیں، ورنہ بو علی سینا کی تصانیف اور ان کی علمی لیاقت کا شہرہ پورے عالم میں پھیلا ہوا تھا۔ ایسی صورت حال میں ناول نگار کا بو علی سینا کو

دقیانوسی خیالات کا حامل قرار دینا اس استعمار زدگی کا نتیجہ ہے جو انیسویں اور بیسویں صدی کے ناول نگاروں کے ہاں ملتی ہے۔

ہندوستانی علوم کو انگریزی علوم سے کم تر ثابت کرنے میں مرزا ہادی رسوا بھی کسی سے کم نہیں۔ مرزا ہادی رسوا، امراؤ جان ادا میں جہاں لکھنوی تہذیب کے نمائندہ بن کر سامنے آتے ہیں، وہیں ان کا ناول ''شریف زادہ'' استعماری مرعوبیت کے حوالے سے دیکھا جاسکتا ہے۔ ہندوستانی علوم کے مقابلے میں انگریزی علوم کو برتر ثابت کرتے ہوئے رسوا لکھتے ہیں:

''جو طلبہ ایسی عمدہ کتابیں جیسے بلیکی کی کتاب سلف کلچر، ہکسلی کی کتاب لے سرمنس یا ہلپ کی کتاب اسیز وغیرہ پڑھتا ہو اس کے سامنے وہ کتابیں جو لغو مبالغات اور جھوٹی خوشامدوں سے بھری ہوئی ہیں ان کی کیا وقعت ہو سکتی ہے۔''(۲۳)

غور کرنے کی بات تو یہ ہے کہ وہ مشرقی علوم کی کتابیں جنہیں اقبال نے "علم کے موتی" قرار دیا اور جنہیں یورپ میں دیکھ کر ان کا دل سیپارہ ہوا، رسوا کے نزدیک وہ ساری کی ساری لغو مبالغات اور جھوٹی خوشامدوں کے پلندے ہیں۔ ہندوستانی علوم، اہل علم اور سابقہ حکمرانوں کی مذمت کے ساتھ ساتھ نو آبادیاتی دور میں استعمار سے مرعوبیت کا جو رویہ پروان چڑھا اس کا ایک رخ استعمار کی مدحت کی صورت میں بھی سامنے آیا، اس دور کے ناول نگاروں کے ہاں ایسے خیالات بھی دیکھے جاسکتے ہیں جن میں اپنی ثقافت، اپنے علم اور تہذیب کی مذمت کے ساتھ استعماری رسوم، استعماری علوم اور استعماری ثقافت کی تعریف و تحسین ملتی ہے۔ اس ضمن میں رتن ناتھ سرشار کے ناول کامنی کی مثال پیش کی جاسکتی ہے۔ انگریزی لباس کی توصیف میں ناول ''کامنی'' میں بہت سے خیالات ایسے ملتے ہیں جن میں کامنی، رنبیر کو اور رنبیر کامنی کو انگریزی لباس میں دیکھنے کی خواہش کا اظہار کرتے ہیں اس کے علاوہ دونوں کے رشتہ کی بات چلتے وقت بھی کامنی کے بھائی کی طرف سے انگریزی لباس میں ملبوس رنبیر کی تصویر کا مطالبہ کیا جاتا ہے جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ انگریز لباس اور انگریزی وضع قطع اس دور میں معیار حسن ٹھہرایا جاتا تھا۔(۲۴) (آج بھی یہ صورت حال قائم ہے، آج کے دور میں خود کو اعلیٰ تعلیم یافتہ کہلوانے والا طبقہ انگریزی لباس اور انگریزی وضع قطع اپنانے میں فخر محسوس کرتا ہے)۔

نو آبادیاتی دور کے اس فکری جائزے سے واضح ہوتا ہے کہ اس دور میں ایک طرف تو ادباء اپنے اسلامی تشخص اور اسلامی روایات کو برقرار رکھنے کی سعی میں لگے تھے تو دوسری طرف

استعماری پالیسیوں کے اثرات بھی ان کی فکر پر گہرے اثرات مرتب کر رہی تھیں۔ استعمار کاروں کی بڑھتی ہوئی طاقت اور اثر و رسوخ نے ادباء کے قلموں کا رخ استعماری ایجنڈے کی تکمیل کی طرف کر دیا تھا۔ ذہنی پسماندگی اور فکری رد عمل کی انمٹ مثالیں اس دور کے ادب میں دیکھی جا سکتی ہیں۔ اس دور میں رواج پانے والے فکری رجحانات میں مادیت پرستی اور حقیقت نگاری کی مثالیں بھی ملتی ہیں، اس کی وجہ بیان کرتے ہوئے ڈاکٹر علمدار حسین بخاری لکھتے ہیں:

> ’’ہندوستان میں جدید اصلاحی سرگرمیاں دراصل مغرب کے اس سیکولر تصور زیست کی پیداوار تھیں، جس کی بنیادیں یورپی نشاۃ ثانیہ کے بعد جنم لینے والی انسان دوستی (Humanitarianism)اور آزاد خیالی (Liberalism) پر استوار تھیں، اس سیکولر تصور زیست نے مغرب کی طرح مشرق میں بھی رجائیت پرستی کی ایسی لہر پیدا کر دی، جس کے سامنے غلاموں کی قنوطی اور شکست خوردہ ذہنیت پسپا ہونے لگی اور خود انسان کی پیدا کردہ برائیوں کے خلاف جدوجہد کا حوصلہ پیدا ہوا، اسی بناء پر جدید ہندوستانی ادب میں انسان کی موجود اور مادی زندگی میں دلچسپی بڑھنے لگی اور سماجی حقیقت نگاری کا رجحان پروان چڑھنے لگا۔‘‘(۲۵)

مجموعی طور پر دیکھا جائے تو استعماریت کے دور میں بہت سے فکری رجحانات ادب میں ملتے ہیں جس کی وجہ سے اس دور کے ادب میں یکسانیت کی بجائے تنوع کی صورت ملتی ہے۔ متنوع فکری رجحانات کی ایک بڑی وجہ یہ بھی ہے کہ اس دور میں ادباء متنوع خاندانی اور سماجی پس منظر کے حامل لوگ تھے۔ تاریخ کے مختلف ادوار نے اس تنوع کو اور زیادہ گہرا کر دیا تھا۔ اس کا ایک فائدہ یہ بھی ہوا کہ ادب یکسانیت کا شکار ہونے سے محفوظ رہا۔ اس دور میں چلنے والی مختلف اصلاحی اور انقلابی تحاریک نے بھی ادب کو نئی جہتوں سے آشنا کیا۔ انہی نئی جہتوں نے نو آبادیات کے خاتمے کے بعد بھی اردو ادب میں تنوع کی صورت حال کو برقرار رکھنے میں اہم کردار ادا کیا۔

حوالہ جات و حواشی

1. Oxford English Dictionary London in Ania Loomba Colonilism / Post Colonilism, London.(1998) P.01

۲۔ Ania Loomba کے اصل الفاظ یہ ہیں:

"Colonilism can be defined as the conquest and control of other people`s land and goods"Ania Loomba , Colonilism/ post Colonilism, London.(1998) Page:2

3. Adword In Laced, Culture and Imperialism,Vintage England.newyark 1994

ص ۹ پر، اصل عبارت یہ ہے:

Imperialism means the practice and the attitude of a domainating metropolitan centre ruling a distant territory, 'Colonilism' which is almost always a consequence of imperialism, is implanting of setelments on distant territory"

۴۔ نیر، ناصر عباس، ڈاکٹر، مابعد نو آبادیات: حدود اور امتیازات، مشمولہ مابعد نو آبادیات: اردو کے تناظر میں، اوکسفرڈ یونیورسٹی پریس، کراچی، اشاعت اول ۲۰۱۳، ص:۱۰

۵۔ محولہ بالا، ص ۵

۶۔ نیر، ناصر عباس، ڈاکٹر، مابعد نو آبادیات، حدود اور امتیازات، مشمولہ، مابعد نو آبادیات: اردو کے تناظر میں، اوکسفرڈ یونی ورسٹی پریس کراچی، اشاعت اول، اشاعت اول ۲۰۱۳ء، ص ۶

۷۔ غالب، اسد اللہ خان، دیوان غالب کامل (تاریخی ترتیب کے ساتھ)، انجمن ترقی اردو کراچی، مارچ ۱۹۹۹، ص ۳۲۶

۸۔ قاسمی، ابوالکلام، نو آبادیاتی فکر اور اردو کی ادبی و شعری نظریہ سازی، مشمولہ: دی ڈان، سرگودھا یونیورسٹی، سرگودھا ۲۰۰۴، ص ۷۵

۹۔ بخاری، علمدار حسین، ڈاکٹر، نو آبادیاتی تاریخی ڈسکورس اور فکشن: مماثلتیں اور امتیازات معیار شمارہ ۸، شعبہ اردو بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی اسلام آباد، ص ۱۷

۱۰۔ سہیل بخاری، ڈاکٹر، اردو ناول نگاری، مکتبہ میری لائبریری، لاہور ۱۹۴۹، ص ۴۹

۱۱۔ نذیر احمد، ڈپٹی، ابن الوقت، مقبول اکیڈمی لاہور، ۱۹۹۴، ص ۴۸

۱۲۔ ایضاً، ص ۹۰

۱۳۔ نذیر احمد، ڈپٹی، فسانہ مبتلا، ٹیکنیکل پبلشرز لاہور، ۱۹۹۳، ص ۳۵
(فسانہ مبتلا میں جابجا اسلامی فکر کی عکاسی کی مثالیں ملتی ہیں، قیامت کے احوال، ناپ تول میں کمی و بیشی پر وعیدیں، حقوق اللہ و حقوق العباد کی بحث، اسلامی احکام مثلاً حلال و حرام، جائز و ناجائز کے متعلق خیالات، حضرت موسیٰ اور یہود کی گفتگو کا احوال، لقدر نکاح اور دیگر اسلامی تصورات کے حوالہ سے ملاحظہ ہو ناول فسانہ مبتلا" از مولوی نذیر احمد)

۱۴۔ پریم چند، میدان عمل، مشمولہ، کلیات پریم چند مرتبہ مدن گوپال، قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، دہلی، ستمبر ۲۰۰۱، ص ۳۶

۱۵۔ ایضاً، ص ۷۶

۱۶۔ شرر لکھتے ہیں کہ "اخلاقی تعلیم دینے کا اس سے زیادہ دلچسپ طریقہ آج تک دنیا کو معلوم نہیں ہوا اور ساری قوم نے تسلیم کر لیا ہے کہ ناول ہی اخلاق کے اصلی مصلح ہو سکتے ہیں۔
عبدالحلیم شرر، فردوس بریں، مجلس ترقی ادب لاہور، طبع دوم، ۱۹۹۵، ص ۵

۱۷۔ ایضاً، ص ۱۱۰

۱۸۔ مرزاہادی رسوا، امراؤجان ادا، سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور، ۱۹۹۹، ص ۱۶۹

۱۹۔ رشید النساء، اصلاح النساء، روشن خیال احمد برادرز، کراچی ۲۰۰۰ء، ص ۴

۲۰۔ مرزاعباس حسن ہوش، افسانہ نادر جہاں، مطبع نول کشور لکھنؤ، ۱۹۱۸ء، ص ۱۸۲

۲۱۔ نذیر احمد، ڈپٹی، ابن الوقت، مجلس ترقی ادب، لاہور ۱۹۹۵ء، ص ۳۱

۲۲۔ سرشار، رتن ناتھ، فسانہ آزاد (جلد اول)، سنگ میل پبلی کیشنز لاہور، ۱۹۹۴، ص ۴۱۰

۲۳۔ مرزاہادی رسوا، امراؤجان ادا، سنگِ میل پبلی کیشنز، لاہور، ۱۹۹۹، ص ۱۱۲

۲۴۔ تفصیلات کے لئے ملاحظہ ہو، رتن ناتھ سرشار کا ناول "کامنی"، نسیم بک ڈپو، لکھنؤ، ۱۹۵۸ء، صفحہ ۹ تا ۵۴

۲۵۔ علمدار حسین بخاری، ڈاکٹر، برصغیر میں جدید ادب کا سماجی تناظر اور نیا متوسط طبقہ، مشمولہ، تخلیقی ادب، شمارہ ۹، نمل یونیورسٹی اسلام آباد، ص ۲۱۸